سورۃ فاتحہ کے وسیع مضامین کا تذکرہ اور بیوت الحمد سکیم کا اعلان

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ / اکتوبر ۱۹۸۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:

کلیڈوسکوپ (Kaleidoscope) بچوں کی ایک کھیل کا نام ہے۔ جو ایک تکون ٹیوب کی شکل میں ہوتی ہے۔ اس کے ایک طرف عدسی شیشہ ہوتا ہے اور دوسری طرف عکسی۔ اور اس کے اندر کچھ مختلف رنگ کے شیشوں کے ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں۔ جب بچہ اس عدسی شیشہ سے اس ٹیوب کے اندر دیکھتا ہے تو شیشہ کے مختلف ٹکڑے عکسی شیشہ سے منعکس ہو کر خاص شکل میں منظم دکھائی دیتے ہیں۔ اور جب وہ اس کا ذرا سا رخ پلٹ دے تو اچانک وہ ٹکڑے ایک نئی منظم شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر وہ ان کو تھوڑی سی اور حرکت دیتا ہے تو ان کا رخ اچانک بدلتا ہے اور وہ ایک نئی تنظیم کی شکل میں نظر آنے لگ جاتے ہیں۔

یہ کھیل مختلف زاویوں سے تصویریں بچوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لیکن وہ زاویے بھی محدود ہیں اور تصویریں بھی محدود۔

اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کے لئے ایک روحانی کلیڈوسکوپ بھی بنا رکھی ہے۔ جس کے نہ

زاویے محدود ہیں، نہ وہ نظارے محدود ہیں جو اس کلیڈ وسکوپ سے نظر آتے ہیں۔ اور وہ کلیڈ وسکوپ سورۂ فاتحہ ہے۔ مختلف زاویوں سے جب آپ سورۂ فاتحہ کے رخ بدلتے ہیں اور مختلف جہتوں سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت انگیز حسین نظارے دکھائی دیتے ہیں جو لا متناہی ہیں۔ ان کی کوئی حد و بست نہیں۔

آج امت کو چودہ سو سال ہو چکے ہیں جب یہ سورۃ نازل ہوئی تھی بلکہ چودہ سو سال سے بھی کچھ زائد سال گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں بے شمار علماء ربّانی نے اس پر قلم اٹھایا۔ وہ اس کے نظاروں سے خود بھی محظوظ ہوئے اور دنیا کو بھی ان نظاروں میں شریک کیا۔ لیکن یہ خزانہ ختم ہونے میں نہیں آتا کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ نظارے لامتناہی ہیں۔

اس سورۃ کے آخر پر ایک دعا سکھائی گئی ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ کہ اے خدا ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے وہ راستہ جس پر انعام پانیوالے چلے تھے یا جس پر چل کر انعام ملتے ہیں۔ ایسا راستہ نہ ہو جس راستہ پر غضب نازل ہوتا ہے یا کج فطرت لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ گمراہ لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا راستہ ہم نہیں مانگتے۔

میں نے سوچا کہ ہم جب سیدھا راستہ مانگتے ہیں تو سیدھے راستہ پر تو انعام والے ہی ملنے چاہئیں۔ یہ مغضوب کا ذکر بیچ میں کہاں سے آ گیا۔ اور ضالّین سے بچنے کی دُعا کیوں سکھائی گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری توجہ اس مضمون کی طرف پھیری کہ صراط مستقیم دراصل وہ راستہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ہر مخلوق کو بالآخر اُس تک پہنچائے گا۔ اور اس کی دو شکلیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک صراط مستقیم ہے جو منعم علیہ گروہ کا راستہ ہے اور دوسری وہ راہ ہے جس پر خدا کے وہ بندے چلتے ہیں جو مغضوب ہو جاتے ہیں یا گمراہ ہو جاتے ہیں اور ضالّین کے زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے میری نگاہ صراط مستقیم کی شکل میں پہلی آیات کی طرف مبذول فرما دی۔ دراصل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں جس راستہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہ حمد کا رستہ ہے جو مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پر ختم ہوتا ہے۔ وہی صراط مستقیم ہے اور

صراط مستقیم کے دونوں پہلو اس آیت میں بیان فرما دئے گئے ہیں۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مخلوق کی ہر شکل بالآخر اپنے رب تک اس طرح پہنچتی ہے کہ وہ اس پر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے کیا مراد ہے۔ قرآن کریم دوسری جگہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿۲۰﴾ (الانفطار: ۲۰)

یعنی کوئی نفس نہ کسی دوسرے نفس کا مالک ہوگا نہ اپنے نفس کا اور ہر قسم کی مالکیت اور اختیار خالصۃً اللہ کا ہوگا۔ گویا اس جہان میں جو ہم عارضی مالک بنائے گئے تھے خواہ اشیاء کے مالک ہوں یا صفات کے، اس عارضی مالکیت سے ہر وجود کلّیۃً عاری ہو چکا ہوگا۔ نہ اس کی ذاتی صفات ہونگی۔ نہ مالکیت کی دوسری شکلوں پر اسے کوئی اقتدار ہوگا اور کلّیۃً نیست ہو کر اپنے ربّ کے حضور لوٹے گا۔ اسے کسی چیز پر بھی اختیار اور قبضہ نہیں رہیگا۔ یعنی انجام کار صرف خدا ہی مالک ہوگا ہر چیز اس کی طرف لوٹ چکی ہوگی اور ہر مخلوق ہر دوسری چیز سے عاری ہو چکی ہوگی۔

یہ جو مضمون ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا، یہ تخلیق کی ہر شکل پر حاوی ہے۔ انسان بھی اس کے دائرہ میں ہے۔ حیوان بھی اس کے دائرہ میں ہے۔ نباتات بھی اس کے دائرہ میں ہیں اور جمادات بھی اس کے دائرہ میں ہیں۔ اور ہر چیز اس حالت میں اپنے رب کی طرف لوٹتی ہے کہ ذاتی طور پر اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ آج کی سائنس نے مادہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں بھی بعینہٖ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر نظر آتی ہے۔ چنانچہ سائنسدان آسمانوں کی اجسام پر غور کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے کہ بہت سے بڑے بڑے ستارے جو ہمارے سورج سے سینکڑوں گنا بڑے ہیں اچانک کہیں غائب ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور اتنی شدید قوت کا ایک مرکز اُن کو اپنی طرف کھینچتا ہے کہ ان کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ وہ اس مرکز میں ڈوب جاتے ہیں اور پھر اُن کی کوئی خبر نہیں ملتی۔

یہ تو آج کی دنیا میں ایک عام بات ہو چکی ہے۔ یہ کوئی نئی خبر نہیں رہی لیکن جس طرف میں

توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ سائنسدانوں کی یہ تحقیق ہے کہ آخر وہ کیا بن جاتے ہیں اور کہاں چلے جاتے ہیں۔ اس آخری صورت کے متعلق سائنسدان صرف اتنا ہی بتا سکتے ہیں کہ وہ ہمارے ادراک کی حد سے باہر نکل جاتے ہیں اور یہ کہنے کے باوجود خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یہ حالت ہے کیا چیز؟ وہ کہتے ہیں کہ جب بھی یہ ستارے غائب ہوتے ہیں تو ایک ایسے ستارے کی طرف حرکت کرتے ہوئے غائب ہو جاتے ہیں جو پہلے ہی سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ کی شکل اختیار کر گیا ہوتا ہے۔ گو ہم اپنی اصطلاح میں اسکو نقطہ کہتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ وہ نقطہ ہے بھی کہ نہیں۔ کیونکہ اس نقطہ کی کوئی خبر باہر کی دنیا کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس کے وجود کا صرف اس طرح پتہ چلتا ہے کہ ارد گرد بعض دفعہ اتنے بڑے فاصلوں پر سے ستارے ڈول کر اسکی طرف آجاتے ہیں کہ جن کا فاصلہ شعاع کی رفتار سے ناپا جائے جو تقریباً ۱,۸۶,۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک سال میں ایک شعاع جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اس سے ہزاروں گنا زیادہ فاصلہ کی دوری پر موجود ستارے بھی اس نا قابل فہم نقطہ کی غیر معمولی، بے پناہ کشش ثقل سے مغلوب ہو کر ڈولنے لگتے ہیں اور اپنے مدار سے ٹوٹ کر قوت کے اس مرکز کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور بالآخر اسکی طرف سفر کرتے کرتے اس کے اندر ڈوب کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اور وہ نقطہ پھر بھی ایک نقطہ ہی بنا رہتا ہے جس کے اندر سورج سے ہزاروں گنا زیادہ مادہ غائب ہونے کے باوجود اس کا کوئی حجم نہیں بڑھتا۔ اس کو سائنٹیفک اصطلاح میں Event Horizon کہا جاتا ہے اور اسکی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جب دنیا کے سارے قوانین جن کے تابع تخلیق ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہوتی ہے اور وہ تمام صفات جو مادہ کی ذاتی صفات ہیں وہ کلیۃً اس مادہ سے الگ ہو جائیں اور مادہ ہر قسم کی ذاتی صفت سے عاری ہو جائے اس کا نام ایونٹ ہورائزن ہے۔ یعنی عدم اور وجود کے درمیان حد فاصل پر ہونے والا واقعہ۔ اس موقع پر چونکہ مادہ اپنی ہر صفت سے عاری ہو جاتا ہے اس لئے ہم اس کو عدم کہتے ہیں۔ مادہ یہاں پہنچ کر کیا شکل اختیار کر جاتا ہے؟ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں سوچ سکتے کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں سے کوئی خبر نہیں آتی۔ یک طرفہ راستہ ہے اور واپسی کی ایک بھی راہ نہیں ہے۔ نہ غیر مرئی ریڈی ایشن کے ذریعہ، نہ ہمیں نظر آنیوالی روشنی کے ذریعہ، نہ کسی اور شکل مثلاً آواز وغیرہ کی شکل میں۔ کوئی خبر پھر وہاں کی نہیں آتی۔ مادہ کا ذاتی صفات سے

کلّیۃً مبرا ہونا بالکل وہی چیز ہے جس کو سورۂ فاتحہ نے مالک یوم الدّین کے حضور حاضر ہونے کا نام دیا ہے یعنی ایسی ذات کی طرف لوٹ جانا کہ جب کسی چیز کی کوئی بھی ذاتی صفت باقی نہیں رہے گی۔ خدا ہر چیز کا مالک ہوگا اور مخلوق اپنی تمام ذاتی ملکیتوں اور ذاتی صفات سے عاری ہو جائے گی۔ گویا اپنے آغاز کی طرف لوٹ جائے گی اور اسی کا نام عدم ہے۔ بغیر صفت کے کسی کا وجود تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے سائنسدان کہتے ہیں کہ عدم کی تعریف ہی یہ ہے کہ کوئی چیز صفات سے کلّیۃً عاری ہو جائے۔ وہ کہاں لوٹتی ہے، اس کے متعلق وہ کچھ نہیں جان سکتے۔ وہ شکست کو تسلیم کرتے ہیں اور خواہ انسان اپنی تحقیقات میں کتنی بھی مزید ترقی کرے وہ تصور کر ہی نہیں سکتا کیونکہ حقیقت میں یہ سب چیزیں اپنے رب کی طرف لوٹتی ہیں۔

اسی طرح جاندار اپنے رب کی طرف لوٹتے ہیں۔ اسی طرح انسان اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ یہی ہے کہ ہر چیز نے بالآخر، جب بھی وہ تخلیق کا جامہ پہنتی ہے، سفر کرتے ہوئے ایک منزل تک پہنچنا ہے جو اس کے خالق یعنی مالک یوم الدین کی منزل ہے۔ گویا دنیا میں جب بھی کوئی چیز پیدا ہوتی ہے وہ معاً ایک سفر شروع کر دیتی ہے اور وہ سفر بالآخر خدا کی ذات پر اس طرح منتج ہوتا ہے کہ وہ مالک یوم الدین ہوتا ہے اور ہر چیز اپنی صفات خلقیت سے کلی طور پر عاری ہو کر پہنچتی ہے۔

اس سفر کے دو رستے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی پہلی تین آیات نے اس سفر کا نقشہ تفصیل سے کھینچا ہے گو مختصر ہے لیکن اگر آپ غور کریں تو حیرت انگیز تفصیل ان چند الفاظ میں ملتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اے بنی نوع انسان تم نے بھی آخر وہیں پہنچنا ہے۔ اس لئے صراط مستقیم کی وہ راہ اختیار کرو جو حمد کے دروازہ سے شروع ہوتی ہے۔ حمد باری تعالیٰ سے تم اس سفر میں داخل ہو گے تو پہلے تمہیں ربوبیت نظر آئے گی۔ یعنی ہر ادنیٰ چیز کا اعلیٰ حالت میں تبدیل ہوتے رہنا۔ اور یہ حالت کلّیۃً اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ اس کے ہر نظام میں تم ربوبیت کا نظام دیکھو گے۔ ہر چیز جو پیدا ہوتی ہے معاً ایک سفر شروع کر دیتی ہے۔ کوئی چیز بھی ٹھہراؤ کی حالت میں نہیں ملتی۔ اس ربوبیت کی حمد کرتے ہوئے تم یہ معلوم کرو گے کہ اگر چہ آغاز میں بھی رحمانیت اور رحیمیت کا دور تھا یعنی جس کی

طرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ① میں اشارہ ہے۔ (اسکی تفصیل بیان کرنے کا یہاں وقت نہیں) مگر اس کے بعد پھر ایک رحمانیت اور رحیمیت کا تم دور دیکھو گے اور مذہبی دنیا کے لحاظ سے خدا تمہیں رحمان بھی نظر آئے گا اور رحیم بھی نظر آئے گا۔ بن مانگے تمہیں اس نے قرآن عطا فرما دیا جو اس کی رحمانیت کا مظہر ہے جیسا کہ فرمایا:

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۲﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۵﴾ (الرحمٰن: ۵-۲)

یعنی تخلیق خواہ روحانی دنیا کی ہو یا مادی دنیا کی، دونوں رحمان سے نکلتی ہیں لیکن رحمانیت کا یہ جلوہ دکھانے کے بعد رحیمیت کے دور میں داخل کر دیا۔ یعنی جزا و سزا کے دور میں تم اپنے اعمال کے ذریعہ مزید اچھے بھی بن سکتے ہو، برے بھی بن سکتے ہو۔ اچھے اعمال کے نتیجہ میں اچھا نتیجہ پاؤ گے اور برے اعمال کے نتیجہ میں برا نتیجہ دیکھو گے۔ یہ سب سفر طے کرنے کے بعد تم اپنے رب کے حضور حاضر ہو جاؤ گے اور تمہارا کچھ بھی نہیں رہے گا۔ پھر سب کچھ اللہ کی طرف واپس لوٹ چکا ہوگا۔

یہ جو سفر بیان فرمایا اس سفر کے اندر رحمانیت میں سے گزرنا اور پھر رحیمیت میں سے گزرنا ضروری ہے۔ یعنی ہر چیز جو خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر بنتی ہے وہ اگر رحمانیت اور رحیمیت میں سے ہو کر مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ تک پہنچے گی تو یہ وہ صراط مستقیم ہے جو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کی راہ ہے۔ اگر شارٹ سرکٹ کرے گی تو پہنچے گی تو پھر بھی مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کے پاس ہی لیکن اگر رحمانیت کو نظر انداز کر کے پہنچے گی تو مغضوب بن کر پہنچے گی۔ اگر رحیمیت کو نظر انداز کر کے پہنچے گی تو ضآلین بن کر پہنچے گی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رحمانیت سے عاری لوگوں کو مغضوب کہا گیا یعنی یہود کو۔ اور رحیمیت کی صفت کا انکار کرنے والوں کو ضآلین کہا گیا یعنی نصاریٰ کو۔

یہود کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے اُن کے دل پتھر ہو گئے تھے۔ وہ خدا کی رحمانیت سے منحرف ہو گئے اور رحمانیت کا کوئی جلوہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ کامل طور پر سخت دل ہو گئے۔ چنانچہ ان کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ ان لوگوں کا رستہ نہ ہو جو رحمانیت کو نظر انداز کر کے بالآخر مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ وہ مغضوب ہو جاتے ہیں۔ اور ان

لوگوں کا رستہ بھی نہ ہو جو رحیمیت کو نظر انداز کر کے بالآخر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک پہنچتے ہیں کیونکہ وہ ضالین ہو جاتے ہیں۔

رحیمیت کیا ہے؟ اعمال کے نظام کا ایک نقشہ ہے۔ جس میں اللہ کے رحم پر سہارا کرتے ہوئے انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے اس کی نیک جزا پاتا ہے۔ عیسائیت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ایسا کوئی خدا ہمیں نظر نہیں آتا جو نیک اعمال کو قبول فرماتے ہوئے اس میں اپنے رحم کا حصہ شامل کرتے ہوئے ہمیں جزا دے اور ہمیں ہلاکتوں سے نجات بخشے۔ بلکہ ایسا ظالم خدا نظر آتا ہے کہ تمام اعمال جو ہم کرتے ہیں خواہ وہ کیسے ہی اعلیٰ پایہ کے ہوں، کیسی ہی حسین شکلیں اختیار کر جائیں بالآخر خدا اس رنگ میں ''عدل'' کا سلوک کرے گا کہ ہمیں گناہگار ہی لکھے گا یعنی یہ عجیب عدل کا تصور ہے۔ تمام زندگی کے نیک اعمال کے بعد بھی ہم گناہگار کے گناہگار لکھے جائیں گے۔ محض اس لیے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے گناہ کیا تھا۔ اس لیے رحیمیت کا کوئی نظام بھی انسان کو بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا اور اس کو ہماری خاطر مصلوب کیا۔ یعنی یہ بھی عدل کا عجیب تصور ہے کہ ایک شخص کو بچانے کے لیے ایک اور بیچارے معصوم آدمی کو سولی پر لٹکا دیا تا کہ جو لوگ رحیمیت سے عاری ہو کر کوئی فیض نہیں پا سکتے میرا بیٹا اُن کے لیے ہلاک ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں اُن پر رحم کیا جائے۔

پس رحیمیت کے نظام کو تہس نہس کر دینا عیسائیت کا نام ہے۔ یہ عیسائیت کا خلاصہ ہے۔ آپ جس پہلو سے بھی عیسائیت کو دیکھیں گے وہ رحیمیت کے منکر نظر آئیں گے اپنے نظریات میں بھی اور اپنے اعمال کے لحاظ سے بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ضالین ہیں۔ مومن کیلئے صراط مستقیم پر چلنا اسی طرح ہے جس طرح ہر دوسری چیز کے لیے ہے۔ لیکن مومن کی صراط مستقیم ربوبیت سے ہوتی ہوئی حمد کے دروازہ سے داخل ہوتی ہے۔

ربوبیت کا نظارہ کرتی ہوئی وہ رحمانیت میں داخل ہوتی ہے۔ رحمانیت سے وہ رحیمیت میں چلی جاتی ہے۔ رحیمیت سے پھر وہ اپنے مالک یوم الدین یعنی اپنے رب کے حضور حاضر ہو جاتی ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہا گیا اور جہاں ربوبیت نظر انداز ہو یا رحمانیت نظر انداز ہو یا رحیمیت نظر انداز ہو وہ ساری ٹیڑھی راہیں

ہیں اور اللہ کے غضب کی راہیں ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حمد کے راستہ سے ہم کس طرح داخل ہوتے ہیں اور رحمانیت کی راہ سے خدا تک پہنچنے کا اور رحیمیت کی راہ سے خدا تک پہنچنے کا مطلب کیا ہے۔ اس کے تین پہلو ہیں۔

اوّل۔ نظریاتی لحاظ سے انسان کلیۃً یہ تسلیم کرے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ساری حمد خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب بھی ہے، رحمان بھی ہے، رحیم بھی ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے۔ پھر یہ ایک الگ مضمون شروع ہو جاتا ہے اس کو میں فی الحال چھوڑ کر اصل مضمون کی طرف جلد مائل ہونا چاہتا ہوں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ نظریہ دل پر وارد ہو جائے اور دل کے جذبات پر بھی قابض ہو جائے۔ یعنی انسان حمد صرف زبان سے نظریہ کے طور پر بیان نہ کرے۔ بلکہ دل اس حمد کو محسوس کرے اور ایک لذت پائے اور ایک محبت محسوس کرے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایک جوش پائے۔ یہ حمد کی دوسری شکل ہے۔ یعنی ذہن سے دل میں ڈوبتی ہے اور نظریہ ایک محبت کی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ جذبات کی شکل میں وہ نظریہ موجزن ہو جاتا ہے اور پھر ربوبیت سے اپنا تعلق جوڑتا ہے۔ رحمانیت سے اپنا تعلق جوڑتا ہے جس طرح کُتا اپنے مالک کے قدموں میں پیار سے لوٹتا پوٹتا ہے اس طرح جب حمد کا یہ تصور دل میں آتا ہے تو کروٹیں لینے لگتا ہے۔ تبدیل ہونے والی یا لوٹنے پوٹنے والی چیز کو قلب کہتے ہیں۔ پس حقیقی قلب اس وقت بنتا ہے جب اللہ کے قدموں میں یہ لوٹتا ہے اس کی حمد کی وجہ سے۔ اس کی حمد سے غیر معمولی طور پر مغلوب ہو کر یہ خدا کے قدموں میں کروٹیں بدلتا ہے پیار کے اظہار کرتا ہے۔ کبھی اس کی ربوبیت پر واری جاتا ہے کبھی اس کی رحمانیت پر اور کبھی اس کی رحیمیت پر۔ اور اس طرح پھر انسان آخر مالک یوم الدین تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کا تیسرا درجہ اعمال کا درجہ ہے۔ حمد کی یہ دونوں شکلیں تب سچی قرار دی جائیں گی اگر ان کا اعمال پر بھی اثر پڑے اور اگر اعمال پر اثر نہیں پڑتا تو محض جذباتی تصویریں ہیں۔ ان کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ پھر اعمال کی وہ راہ ہے جس کے لیے انسان کے سامنے بہت ہی مشکلات پیش آتی ہیں۔ وہ کہنے کو تو یہ کہہ دیتا ہے اللہ رب ہے لیکن اس ربوبیت کا مظہر بننے کی راہ میں جب دقتیں پیش آتی ہیں تو اس وقت سمجھ آتی ہے کہ منہ سے تعریف کرنا اور چیز ہے دل سے محسوس کرنا اور چیز ہے اور

اعمال میں جاری کرنا بالکل اور چیز ہے۔ وہ کہہ تو دیتا ہے اللہ رحمان ہے مگر خود بندوں کے لیے رحمان بننا ایک بہت بڑا کام ہے اتنا عظیم الشان کام ہے کہ قدم قدم پر انسان کے سامنے یہ امتحان آتا ہے اور اس میں فیل ہوتا چلا جاتا ہے۔ منہ سے رحمان کی تعریف کرتا ہے، دل سے محسوس کرتا ہے کہ ہاں وہ بہت ہی پیاری چیز ہے مگر جب ایک رستہ اختیار کرنے کا وقت آتا ہے تو رحمانیت کا رستہ چھوڑ کر غضب کا رستہ اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق ہم یہ کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ وہ مالک یوم الدین تک رحمانیت کی راہ سے پہنچے گا۔ اس نے تو خود اپنی آزمائشوں کے وقت میں رحمانیت کی راہ ترک کی اور مغضوبیت کی راہ اختیار کر لی۔

یہی رحیمیت کا حال ہے۔ رحیمیت کی راہ اختیار کرنے کی بجائے انسان ہمیشہ تو نہیں مگر اکثر صورتوں میں ایسی راہ اختیار کرتا ہے کہ بندوں سے ان کے اعمال کے مطابق رحمت کا سلوک نہیں کرتا۔ مزدور کی مزدوری مارنے والے لوگ، حق سے کم ادا کرنے والے لوگ سارے وہ لوگ ہیں جو ضآلین کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ مغربی قوموں نے جو Exploitation یعنی استحصال سے کام لیا ہے، یہ رحیمیت کا عملی انکار ہے۔ تمام دنیا میں Capitalists نے جو Exploitation کی ہے اس کے نتیجہ میں پھر آگے اشتراکیت نے جنم لیا ہے۔ یہ وہی ضآلین کی راہ ہے جو رحیمیت کے انکار کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ ادنیٰ قوموں سے محنتیں لیں، کام لیے اور ان کو ان کے بدلے پورے نہیں دیئے اور وہ ان غریب قوموں کا جو جائز حق کھا گئے یہی استحصال ہے۔ اسی کے نتیجہ میں پھر دنیا میں بڑی بڑی تباہیاں آئی ہیں اور آفتیں ٹوٹی ہیں۔

پس ضآلین کی راہ جو عیسائیت نے اختیار کی وہ بھی صرف نظریاتی نہ رہی بلکہ عملی شکل میں ڈھل گئی۔ اقتصادی نظام کی شکل میں بھی ڈھل گئی۔ معاشرہ میں بھی ڈھل گئی۔ تمدن میں بھی ڈھل گئی ملوکیت میں بھی ڈھل گئی۔ ہر چیز پر اثر انداز ہو گئی تو یہ جو رحیمیت کی راہ کو چھوڑ کر خدا تک پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہی ضآلین کہلائیں گے اور ان رستوں کو چھوڑنے کے نتیجہ میں دُنیا اور آخرت میں سخت بدانجام کو پہنچیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے بجلی ایک قوت کا نام ہے اس کے بھی سفر کے

رستے مختلف ہو سکتے ہیں۔ بلب یا کسی اَور برقی آلہ کی راہ سے ہو کر بھی وہ اپنے دوسرے حصہ تک پہنچ جاتی ہے جو اس کا انجام ہے جہاں جا کر وہ Annihilate ہو جاتی ہے اور براہ راست بھی بغیر مقررہ راستے کے وہ دوسرے کنارے تک پہنچ سکتی ہے۔ لیکن اس دوسری صورت میں سوائے بھسم کر دینے والی آگ کے اس کے سفر کا ماحصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر وہ بلب یا مشین یا پنکھے یا ریفریجریٹر کے رستے سے ہونے کی بجائے براہ راست وہاں تک پہنچتی ہے تو جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ اس کے سوا اس کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے آنا تو میرے پاس ہے۔ طوعاً یا کرھاً تم نے میرے پاس آ ہی جانا ہے۔ تم تخلیق کی جو بھی شکلیں ہو مادہ ہو یا نباتات ہو یا حیوان ہو یا انسان ہو بالآخر تم نے میرے پاس پہنچنا ہے اور ایسی حالت میں پہنچنا ہے کہ تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں رہے گا۔ اُس وقت جو کچھ میں تمہیں عطا کروں گا اس کی بناء یہ ہوگی کہ اگر تم رحمانیت کے رستہ سے مجھ تک آؤ گے اور رحیمیت کے رستہ سے مجھ تک آؤ گے تو مجھے انعام دینے والا پاؤ گے۔ جو کچھ میں دوں گا پھر وہ میری طرف سے ہوگا تمہاری ذاتی مالکیت تو پھر بھی کچھ نہیں ہوگی۔ لیکن ان رستوں کو نظر انداز کرو گے تو تمہارا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ میرے حضور حاضر ہونے سے پہلے پہلے رحمانیت اور رحیمیت کے رستے تمہیں تین طریق پر طے کرنے ہوں گے۔ نظریاتی لحاظ سے بھی اختیار کرنے پڑیں گے، قلبی لحاظ سے بھی اختیار کرنے پڑیں گے اور عملی لحاظ سے بھی اختیار کرنے پڑیں گے۔ پس یہی سچی حمد ہے جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے۔

اس مضمون پر غور کرتے ہوئے میری توجہ مسجد بشارت سپین کی طرف منتقل ہوگئی اور میں نے سوچا کہ ساری دنیا میں جماعت احمدیہ اللہ کی حمد کے ترانے گا رہی ہے اور سب دنیا پر یہ حقیقت واضح کر رہی ہے کہ مسجد بشارت کی تعمیر کی جو تاریخ ساز سعادت ہمیں نصیب ہوئی یہ محض ہمارے رب کی رحمانیت اور رحیمیت کے طفیل ہے۔ اسی نے ہمیں اس مہم کا آغاز کرنے کی توفیق بخشی اور اسی نے تکمیل کے مراحل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی یعنی جو کچھ بھی ہم نے کیا محض اس کی رحمانیت اور رحیمیت کے عظیم جلووں کے تابع کیا۔ ہمارے دل بھی اس ولولہ کو اور رحمٰن اور رحیم خدا کے احسانات کو بڑی

شدت سے محسوس کر رہے ہیں اور اس کے احسانات کا تصور دل میں محبت کے طوفان اٹھا رہا ہے اور ہر احمدی کا دل پہلے سے بڑھ کر رحمٰن و رحیم خدا کی محبت کا جوش محسوس کرتا ہے۔ میں نے سوچا کہ حمد کی یہ دو شرطیں تو ہم نے پوری کر دیں۔ تیسری شرط کس طرح پوری کریں۔ یعنی اعمال میں اس حمد کو کس طرح جاری کریں۔ اس سلسلہ میں بہت سے مضامین میرے ذہن میں روشن ہوئے کہ یہ یہ طریق ہیں اس حمد کو جاری کرنے کے۔ خدا کے اور گھر بنانا، ان کی آبادی کے سامان پیدا کرنا۔ اس کے لیے جدوجہد کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مضامین مجھ پر روشن فرمائے جن کے نتیجہ میں یورپ میں بھی بعض اقدامات کئے گئے اور یہاں آ کر بھی ان اقدامات کو آگے بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا مضمون بھی سمجھایا جس کا میں اب یہاں اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے گھر بنانے کے شکرانہ کے طور پر خدا کے غریب بندوں کے گھروں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔ اس طرح یہ حمد کی عملی شکل ہوگی جو ہم اختیار کریں گے اور اپنے اعمال سے گواہی دیں گے کہ ہاں واقعۃً ہم اللہ کی اس رضا پر بہت راضی ہیں کہ اس نے ہمیں اپنا گھر بنانے کی توفیق بخشی۔ پس ہم اس کے **غریب بندوں کے گھروں کی تعمیر** کی طرف توجہ کر کے اس کے اس عظیم احسان کا عملی اظہار کریں گے۔

اس شکل میں جب میں نے غور کیا تو میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ سب سے پہلے اس مقصد کیلئے مَیں خود نمونۃً کچھ پیش کروں غریبوں کے گھر بنانے کے لئے ایک فنڈ قائم کیا جائے۔ ایک کمیٹی ہو جو اس بات پر غور کرتی رہے کہ کن غرباء کو کس حد تک ہم نے امداد دینی ہے۔ یہ تو ایک ظاہر بات ہے کہ جماعت احمدیہ پر اتنے مالی بوجھ ہیں اور حمد کے اظہار کے اتنے بکثرت اور مختلف ذرائع ہمارے سامنے کھلے ہیں کہ ہم کسی ایک ذریعہ پر اپنی ساری قوتیں خرچ نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ محدود ہے ہر چند تمنائیں بے قرار ہیں اور بے انتہاء ہیں۔ رستے تو بے شمار کھلے ہیں حمد کے عملی شکرانے کے اظہار کے لئے۔ لیکن توفیق سردست بہت محدود ہے۔ اس لئے ہر کام کی طرف حصہ رسدی توجہ ہی کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے شکرانے کا یہ ایک ایسا عملی پہلو تھا جو آج تک خالی پڑا تھا۔ اس کی طرف بھی توجہ ضروری تھی کہ خدا کے گھر بنائیں تو خدا کے غریب بندوں کے گھر بھی بنائیں

تا کہ خالق کے حقوق کے ساتھ ساتھ اسکی مخلوق کے حقوق بھی ادا ہوں۔

پاکستان میں آجکل اقتصادی حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ بہت کثرت کے ساتھ ایسے غربا ہیں جن کو سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں اور یہ امور عامہ میں پیش ہونے والے جو جھگڑے آئے دن میرے سامنے آتے رہتے ہیں کہ فلاں کرایہ دار گھس گیا اور وہ نکلتا ہی نہیں یا فلاں آدمی کو انجمن نے الگ کر دیا اور اس نے مکان پر قبضہ کر لیا۔ یہ سب ناجائز شکلیں ہیں ان کا حق نہیں ہے۔ لیکن ان مجبوریوں کی طرف بھی یہ واقعات انگلی اٹھا رہے ہیں جو مجبوریاں بعض غرباء کو درپیش ہیں۔ ہم ان کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیں گے۔ ہم ان کو نظم وضبط ضرور سکھائیں گے لیکن ساتھ ہی اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہمارا فرض ہے کہ ان کے لئے کچھ نہ کچھ کریں۔ جتنی توفیق ہے۔ تھوڑی سہی تھوڑی کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد کا عملی صورت میں ایک یہ اظہار بھی کریں کہ ہم اس کے بندوں کے گھروں کی طرف کچھ توجہ دے رہے ہیں۔ ویسے تو یہ اتنی بڑی ضرورت ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں بھی اسکو پورا نہیں کر سکتیں۔ مگر مجھے اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ چونکہ جماعت احمدیہ اس زمانہ میں وہ واحد جماعت ہوگی جو محض رضاء باری تعالیٰ کی خاطر یہ کام شروع کریگی۔ اس لئے اللہ اس میں برکت دیگا اور کروڑوں روپوں کے مقابل پر ہمارے چند روپوں میں زیادہ برکت پڑ جائے گی اور اسکے نتیجہ میں جماعت کے غربا کا ایمان بھی ترقی کرے گا اور اللہ کے فضل بھی ان پر نازل ہوں گے۔ یہ کن شکلوں میں ظاہر ہونا ہے۔ میں اس سکیم کا آج اعلان کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے تو میں اپنی طرف سے دس ہزار روپیہ کی ایک حقیر سی رقم اس مد میں پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے دو لاکھ روپے اس مد میں پیش کرتا ہوں۔ انجمن کی جو بچت ہوتی ہے اس کا اکثر استعمال تعمیرات پر ہوتا ہے تو ان تعمیرات کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں جو رقمیں عطا فرمائی ہیں اس کے شکرانے کا بھی یہ ایک اظہار ہوگا کہ اس میں سے دو لاکھ روپے غربا کی عمارات کے لئے ان کی مدد کے لئے وقف ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ سال بہ سال اس کی جو شکلیں بنیں گی وہ ہمارے سامنے آتی چلی جائیں گی۔

تحریک جدید اور وقفِ جدید اور خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کے مالی حالات

اس وقت میرے سامنے نہیں ہیں لیکن ان کو بھی میں تحریک کرتا ہوں کہ یہ انجمنیں اور تنظیمیں اپنی توفیق کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور اس مد میں وقف کریں۔

جہاں تک دیگر احمدیوں کا تعلق ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا میری پہلی توجہ اس طرف ہے کہ وہ اپنے لازمی چندے درست کریں جو نادہند ہیں وہ دہند بنیں۔ جو بقایا دار ہیں وہ بقائے صاف کریں۔ جو شرح کے مطابق نہیں دیتے وہ شرح کے مطابق دینا شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ اختیار کریں۔ اس لئے جب تک یہ مہلت دی ہے کوئی عام تحریک میں جماعت میں نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اس تحریک کے لئے چونکہ انتظار میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے زور سے یہ تحریک میرے دل میں ڈالی کہ میں نے مجبوراً اس موقعہ پر اس کا اعلان کر دیا۔ اس لئے اس شرط کے ساتھ کہ جماعت کے دوسرے احباب کو اس میں شمولیت کا موقعہ دیا جائے گا کہ اوّل تو وہ توازن کو بگڑنے نہ دیں۔ دل تو چاہے گا کہ پہلی تحریک ہے، سب کچھ اس راہ میں پیش کر دیں۔ یہ ایک مومن کے قلب کی طبعی حالت ہوتی ہے لیکن یاد رکھیں اور بہت ہی تحریکات اللہ کی راہ میں آنے والی ہیں اس لئے وہ ان کے لئے بھی اپنے ذہن میں گنجائش رکھیں اور توازن برقرار رکھتے ہوئے جو کچھ پیش کرنے کی خدا سے توفیق پائیں اس پر راضی ہوں۔ دل تو چاہے گا کہ اور بھی زیادہ پیش کریں۔ لیکن اپنے آپ کو سنبھال کر پیش کریں اور دوسرے یہ کہ صرف وہ پیش کریں جو خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر خود یہ سمجھتے ہیں، یہ فیصلہ انہوں نے خود کرنا ہے کہ وہ اپنے لازمی چندوں میں پورے ہیں۔ شرح کے مطابق دیتے ہیں حصۂ وصیت بھی اور چندہ عام بھی جن کو ابھی تک یہ توفیق نہیں ملی، یہ حوصلہ عطا نہیں ہوا وہ ہرگز ایک آنہ بھی اس تحریک میں نہ دیں۔

اس شرط کے ساتھ یہ تحریک عام ہے۔ انشاء اللہ میں اس کے لئے ایک کمیٹی بنادوں گا جو ایسے معاملات پر غور کرے گی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ہمارے بس میں نہیں ہے کہ سارے دکھ دور کر سکیں۔ جتنی مرضی خواہش ہو یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ کریں گے اور باقی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔ اور امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے غربا کو مستغنی فرما دے گا۔

اسی تحریک کا دوسرا پہلو رحمانیت سے آگے جا کر رحیمیت سے تعلق رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک طرف غریبوں سے ہمدردی سکھاتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ ان کیلئے کچھ کرو، انہیں کچھ عطا کرو۔ دوسری طرف غریبوں کو عزت نفس سکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ حتی المقدور کوشش کرو کہ تم لینے والے نہ بنو، دینے والے بنو۔ یہ حیرت انگیز معاشرہ ہے اس کے تصور سے بھی روح اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ یعنی دنیا کے معاشروں سے بالکل برعکس شکل پیش کرتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر چہ ہم بحیثیت جماعت کے اپنے غرباء کے لئے لازماً کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ جتنی خدا توفیق دے مگر ان تقاضوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو عالم اسلام کی ضروریات کے وسیع تقاضے ہیں اور ساری دنیا میں پھیلے پڑے ہیں۔ لیکن خود غربا کو یہ چاہئے کہ جہاں تک بس چل سکے وہ کفایت اختیار کریں اور قناعت اختیار کریں اور اپنے اندر ایک عظمت کردار پیدا کریں اور ان کی کوشش یہ ہو کہ حتی المقدور وہ لینے والے نہ بنیں بلکہ دینے والے بنیں۔

یہ قناعت اور عظمت کردار ایک ایسی عظیم الشان چیز ہے جو اسلام عطا کرتا ہے۔ دنیا میں کسی اور مذہب میں نہیں ملتی اور اس کے نتیجہ میں تکلیفیں کم ہوتی جاتی ہیں اور ہونے کے باوجود زائل ہو جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس کا نظارہ ہمیں یہ ملتا ہے کہ اصحاب الصفہ جو بالکل غریب لوگ تھے اور آنحضرت ﷺ کی عطا پر ان کا انحصار تھا۔ اگر وہ عطا نہ ہوتی تو وہ فاقے مر جاتے لیکن اس کے باوجود یہ تمنا کہ ہم خرچ کرنے والے بنیں اتنا بے قرار رکھتی تھی کہ بعض دفعہ وہ ہتھیار لے کر باہر جنگلوں میں نکل جاتے تھے یعنی کلہاڑے اور آریاں وغیرہ لے کر چلے جاتے تھے اور لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور فروخت کرتے تھے۔ یہ مزدوری وہ اس غرض سے کرتے تھے کہ وہ بھی غریبوں پر کچھ خرچ کریں اور وہ بھی اسلام کی راہ میں کچھ پیش کریں۔ ان کا نام بھی عطا کرنے والوں میں لکھا جائے۔ (مسلم کتاب الامارۃ باب الجنۃ للشہید)

یہ عظمت کردار ہے جو اسلام غریب کو عطا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں رحیمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی کچھ مدد کریں اور ایک ایسے رنگ میں کریں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ غربا کی سوسائٹی کی طرف ایسی توجہ کریں کہ رحیمیت کے نظام میں داخل ہوتے ہوئے وہ اپنے اعمال کی اچھی جزاء پائیں اور جہاں ان کو نظر نہیں آتا کہ ہم کیا کریں اور بے بسی کے عالم میں ہیں وہاں ہم ان کو

دکھائیں کہ تمہارے لیے یہ کچھ کرنے کا پڑا ہوا ہے۔ یہ تم کرو اپنی محنت ڈالو۔ اس کی بہتر جزا اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کر دے گا۔

پس رحیمیت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے میں ایک کمیٹی بنا دوں گا لیکن اس سے پہلے کہ ایک مرکزی کمیٹی بنائی جائے میں ساری جماعت سے یہ تحریک کرتا ہوں کہ وہ ذی شعور دوست جن کو اللہ تعالیٰ نے صنعتوں کا ملکہ عطا فرمایا ہوا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تجارت کا ملکہ عطا فرمایا ہے، جن کو مالی لحاظ سے وسعتیں دی ہیں اور تجربے دیئے ہیں وہ ربوہ کے حالات کا (فی الحال ہم ربوہ سے بات شروع کریں گے) اور ربوہ کے غربا کا جائزہ لے کر یہ تجویزیں پیش کریں کہ ان غربا کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے جماعت ان کی کیا مدد کر سکتی ہے۔ کون سے ایسے ذرائع عمل میں لا سکتی ہے جن کے نتیجہ میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے حصہ پائیں جس کے نتیجہ میں انسان دوسروں کو بھی عطا کرتا ہے۔ ان کی بھی تمنائیں پوری ہوں کہ ہم مسجدوں کی تعمیر میں بھی خرچ کریں اور دوسرے غریبوں کے گھروں کے لیے بھی خرچ کریں۔ یہ وہ کم از کم مقام ہے جس کی طرف اسلام لے جانا چاہتا ہے۔ اس لیے اس تقاضا کے پیش نظر جماعت کے جو انڈسٹریلسٹ ہیں، تاجر ہیں، اقتصادیات میں مختلف قسم کے صاحب تجربہ لوگ ہیں، ان کو میں ایک عام اعلان کے ذریعہ اس طرف دعوت دیتا ہوں۔

مثلاً حالات کا جہاں تک تعلق ہے، ایک گندم کمیٹی ہے اس کے پاس اِلّا ماشاء اللہ اکثر غربا کے حالات موجود ہیں ربوہ میں اکثر مصیبت زدگان آجاتے ہیں۔ غربا اکٹھے ہو جاتے ہیں بیوگان اور یتامیٰ اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایک بڑی بھاری نسبت ہے ہمارے اندر سوسائٹی کے ایسے حصہ کی جن کے لیے دیکھ بھال کا کوئی نظام نہیں ہے۔ اگر چہ جماعت کی طرف سے گندم بھی دی جاتی ہے۔ کپڑوں کی صورت میں بھی امداد دی جاتی ہے۔ تعلیم کی صورت میں بھی امداد دی جاتی ہے۔ لیکن یہ سارے رحمانیت کے مظاہر ہیں۔ رحیمیت کے مظاہر کے طور پر کوئی چیز مجھے اس وقت نظر نہیں آرہی۔ البتہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مختلف وقتوں میں ایسی مختلف تحریکات کی تھیں جو کچھ دیر چلیں اور پھر وہ آہستہ آہستہ نظر سے غائب ہو گئیں اور اس کا بھی دراصل اس پیشگوئی کے ایک حصہ سے تعلق تھا جو مصلح موعود کی پیشگوئی کہلاتی ہے اور جس کو رؤیا کی صورت میں حضرت مصلح موعودؓ نے

دیکھا یعنی ایک تو پیشگوئی ہے۔ایک اس کا وہ اظہار ہے جو رؤیا کی صورت میں حضرت مصلح موعودؓ پر کیا گیا۔اس میں یہ بھی بیان ہے کہ میں آگے نکل جاتا ہوں اور جماعت پیچھے رہ جاتی ہے۔تو یہ جو تحریکات تھیں ان کے ساتھ جو عملاً واقعہ ہوا ہے اس میں ہمیں یہی نظارہ نظر آتا ہے کہ بیشمار تحریکات ہیں اور بڑی عظیم الشان تحریکات ہیں جن میں حضرت مصلح موعودؓ آگے نکل گئے اور جماعت پیچھے رہ گئی۔ہمیں واپس لوٹ کر ان کو وہیں سے اٹھانا ہے اور لے کر آگے بڑھنا ہے۔ان میں یہ تحریکات بھی ہیں کہ غربا کو صنعتیں سکھائی جائیں ایسے دوسرے کام دیے جائیں کہ جس کے نتیجہ میں خود اعتمادی اور شرف انسانیت قائم ہو اور وہ سوسائٹی کا وہ حصہ بنیں جو عطا کرنے والا حصہ ہوتا ہے وصول کرنے والا نہیں ہوتا۔

پس اس پہلو سے ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں لیکن اس کام کی اول ذمہ داری امور عامہ پر عاید ہوتی ہے۔امور عامہ صرف محاسبہ کا نام نہیں ہے یا تنفیذ کا نام نہیں ہے۔یہ ایک غلط تصور پیدا ہو گیا ہے۔محاسبہ اور تنفیذ امور عامہ کے بیشمار کاموں میں سے ایک بہت معمولی اور چھوٹا سا کام تھا جس نے پھیلتے پھیلتے آخر دوسرے کاموں کو باہر نکال دیا جس طرح اونٹ کے متعلق آتا ہے کہ ایک صحرا میں جب رات کو بہت سردی ہوئی تو اونٹ نے تھوڑا سا سر خیمہ میں داخل کرنے کی اپنے مالک کی اجازت چاہی (کہانی میں تو جانور بول لیتے ہیں۔یہ ظاہری دنیا کا کوئی اصل واقعہ نہیں ہے) تو اونٹ نے تھوڑی سی تھوتھنی اندر کر کے کہا۔اے میرے مالک! بہت ہی سردی ہو گئی ہے مجھے اجازت دو۔میں تھوتھنی اندر کر لوں۔اس نے کہا ٹھیک ہے کر لو۔پھر اس نے کہا باقی سر بچارے کا کیا قصور ہے تھوڑی سی اجازت ہو تو میں وہ بھی اندر کر لوں۔چنانچہ وہ سر بھی اندر آ گیا۔پھر وہ گردن آئی۔پھر وہ اگلی ٹانگیں آئیں۔پھر جسم۔پھر دم یہاں تک کہ مالک باہر تھا اور اونٹ اندر تھا۔امور عامہ سے بھی کچھ اسی قسم کا واقعہ ہو گیا ہے کہ مالک تو باہر پڑا ہوا ہے اور اونٹ اندر آ گیا ہے۔اس لیے اونٹ کو واپس باہر جانا پڑے گا۔یا کم سے کم اونٹ کا اتنا سا حق ادا کرنا پڑے گا جو مالک پر عاید ہوتا ہے۔تنفیذ اور محاسبہ امور عامہ کے فرائض میں داخل ہے۔یہ کام تو اُسے کرنا ہے لیکن ادنیٰ کام کے طور پر کرنا ہے، اپنے مقاصد میں سے اعلیٰ حصہ کے طور پر نہیں کرنا۔امور عامہ کے مقاصد کے اعلیٰ حصوں میں غریبوں کی پرورش، ان کے حقوق کی خبر گیری، ان کے لیے

مختلف قسم کی صنعتوں کا جاری کرنا، ان کی دیکھ بھال، یتامیٰ کی دیکھ بھال، یہ ساری چیزیں داخل ہیں۔

پس امور عامہ اسکی نگرانی کریگی۔ اور ایک مرکزی کمیٹی بن جائیگی یا یوں کہنا چاہئے کہ فی الحال ہم ایک مرکزی کمیٹی بنا دینگے جس میں نظارت امور عامہ عملی حصہ کے طور پر ذمہ دار ہوگی۔ یعنی وہ ان اعلیٰ اقدار کی تنفیذ کی ذمہ دار ہو جائے گی کیونکہ ان کو تنفیذ کی تو بہر حال عادت پڑی ہوئی ہے، اس لیے اس نیک کام کی تنفیذ میں بھی وہ انشاء اللہ تعالیٰ نمایاں کردار ادا کریں گے۔ وہ بھی ان کا نیک کام ہے اس میں مذاق کا رنگ نہیں۔ مگر پھر بھی نیک کاموں میں سے ایک چھوٹے سے نیک کام کو انہوں نے پکڑا ہوا ہے اور بڑے بڑے نیک کام بھول گئے ہیں۔ تو بہر حال اس نیک کام کی تنفیذ کا زیادہ تر تعلق امور عامہ کے محکمہ سے ہوگا۔ لیکن ایک رہنما کمیٹی بن جائے گی جس میں امور عامہ کے نمائندے بھی ہوں گے اور بعض دوسرے بھی۔ اور ساری جماعت سے آراء طلب کر کے پھر ان کو انشاء اللہ ایک عملی صورت میں جاری کریں گے۔

اگر چہ وقت اب زیادہ ہو رہا ہے لیکن گھروں کے سلسلہ میں ایک چھوٹی سی بات میں بہر حال کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو سارے گھر جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کئے ہیں خدا تعالیٰ کے گھر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بعض دفعہ یہ بھی مطالبے کرتا ہے اور یاد کرواتا ہے اور بعض دفعہ نہیں بھی کرواتا۔ جب مومن کے گھر میں کوئی مہمان آتا ہے اور وہ اپنے منہ ملاحظہ کی بجائے خدا کی خاطر اس کو جگہ دیتا ہے تو اس وقت وہ ثابت کرتا ہے کہ ہاں میرا گھر خدا کا گھر ہے۔ تو یہاں آکر وہ دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ہماری ہر چیز پھر خدا کی ہو جاتی ہے۔ امتحان کے بعض ایسے ہی دن آنے والے ہیں یعنی جلسہ سالانہ۔ اس موقع پر آکر حقیقت میں ربوہ کے سارے گھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر بن جاتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سارے گھر اللہ کے گھر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے خوب دل کھول کر اپنے گھر نظام جلسہ کو پیش کریں اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ ظاہر کریں کہ مجبوراً تو ہم نے مالک یوم الدین کے حضور پہنچنا ہی ہے اس سے تو ہمیں کوئی مفر نہیں، لازماً جانا ہے۔ اگر اس دنیا میں بھی خدا کو طوعاً مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تسلیم کر لیں گے تو قیامت کے دن اس کی مالکیت سے زیادہ حصہ پائیں گے اور زیادہ رحم کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

پس اس پہلو سے ربوہ والے اپنے گھروں کو خوب بشاشت کے ساتھ پیش کریں۔ پہلے بھی کرتے ہیں اس دفعہ اور بھی زیادہ محبت کے ساتھ پیش کریں اور کارکنان بھی اپنی ساری طاقتوں کو مالک یوم الدین کے حضور پیش کر دیں۔ بے شمار کام ہوتے ہیں اور جو اس وقت ہمارے پاس عملہ مہیا ہے وہ اتنا تھوڑا ہے کہ حقیقت میں وہ تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ محض اللہ کا فضل ہے۔ ہر دفعہ حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح کام ہو گئے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ہم بہر حال للّٰہی جماعت ہیں اللہ کی خاطر کام کرتے ہیں۔ وہ اپنے فضل سے فرشتوں کے ذریعہ کام پورے کر دیتا ہے۔ لیکن خدا کے فضل کو ہم انتہا کی شکل میں اس وقت دیکھتے ہیں جب ہم اپنی قوتوں کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ جب ہم اپنی قوتوں کو آدھے راستہ میں چھوڑ دیتے ہیں تو پھر خدا کا فضل بھی آدھے راستے تک رہتا ہے۔ اس لیے ہم کوشش کریں گے کہ جس قدر بھی ممکن ہو طوعی طور پر اپنے وقت کو بھی خدا کے حضور پیش کر دیں۔

تیسری شکل یہ ہے کہ مہمانوں کے لیے اپنے گھروں کو خوب سجا دیں۔ جب آپ کے مہمان آتے ہیں تو آپ اپنے گھروں کو خوب سجاتے ہیں۔ اللہ کے مہمان آئیں گے تو کیا آپ اپنے گھروں کو نہیں سجائیں گے۔ کیا آپ اپنی گلیوں کو صاف نہیں کریں گے۔ کیا خدا کی خاطر آپ یہ خیال نہیں رکھیں گے کہ ربوہ کے بعض محلوں میں رات کو چلتے ہوئے گندی نالیوں میں بھی پاؤں پڑ جاتے ہیں۔ گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ان سے بدبوئیں بھی اٹھتی ہیں۔ پس جب آپ اپنے مہمانوں کی خاطر اپنے گھروں کی صفائی کرتے ہیں۔ تو اب تو خدا کے مہمان آنے والے ہیں۔ اس لیے اپنے گھروں کی بھی صفائی کریں۔ اپنی گلیوں کی بھی صفائی کریں۔ ان ڈھیروں کو بھی دور کرنے کی کوشش کریں جو بدبو پھیلاتے ہیں اور اس سلسلہ میں جماعت کی جتنی بھی تنظیمیں ہیں وہ ساری تیزی کے ساتھ عملی توجہ شروع کر دیں۔ یعنی سکیمیں بھی بنائیں اور پھر ان کو عمل میں ڈھالیں انصار اللہ، لجنہ اماء اللہ اور خدام الاحمدیہ یہ ساری تنظیمیں کام کریں اور جلسہ سالانہ کا نظام اس کی عمومی نگرانی کرے۔ اس کے بعد پھر سجاوٹ کا وقت بھی آئے گا۔ میرے ذہن میں ایک نقشہ یہ بھی ہے کہ غریب کے مکان کو خوبصورت بھی بنایا جائے اور سجایا بھی جائے لیکن ابھی فوراً تو اس کا وقت نہیں۔

میں نے غیر ملکوں میں اس کا جائزہ لیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں ہر سوسائٹی خواہ وہ غریب

ہے خواہ وہ امیر ہے، وہ زینت کی طرف توجہ کرتی ہے اور غریب بھی اپنے گھر کو سجانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ چیز مجھے یورپ کی سیر میں معلوم ہوئی۔ اسی وقت میں نے اپنے ساتھیوں کو لکھوا دیا کہ ربوہ پہنچ کر یاد کروانا تا کہ ہم بھی اپنے گھروں کے لیے ایسا ہی نظام جاری کریں کہ غریب ہو یا امیر ہو وہ کچھ نہ کچھ سجاوٹ پیدا کرے اور گھر کو خوبصورت بنائے۔

اس سلسلہ میں میں آرکیٹیکٹ اینڈ انجینئرز ایسوسی ایشن کو دعوت دیتا ہوں اور ساتھ ہی مجھے ایک اور خیال آیا کہ ایک اور ذمہ داری بھی ان کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جب غربا کے گھروں کی طرف توجہ ہے تو اس کا نقشہ بھی تو بننا چاہئے۔ بیچارے غریبوں کے پاس تو اتنے پیسے بھی نہیں ہوتے کہ وہ کسی کو کچھ دے کر اس سے نقشہ بنوالیں۔ تو نقشے بھی ایسے تجویز کئے جائیں جو مناسب حال ہوں۔ اور اس میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو خوب استعمال کریں اور ایسے نقشے تجویز کریں جو دلکش بھی ہوں اور ہمارے ملک کے موسموں کو پیش نظر رکھ کر اچھے بھی ہوں اور نئی ایجادات کی روشنی میں ایسی تجاویز اس میں شامل کی جائیں کہ جو غریبانہ دسترس کے اندر ہوں۔ پھر ہم ہر ایک کے بنائے ہوئے نقشہ کا مقابلہ کریں گے۔ جس آرکیٹیکٹ کا نقشہ سب سے اچھا ہوگا اسکو میں ایک خاص انعام دوں گا۔

پس انجینئرز ایسوسی ایشن کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ ربوہ میں بنایا جانیوالا گھر کیسا ہونا چاہئے۔ اس کا نقشہ پیش کریں اور اسکی سجاوٹ میں اردگرد درختوں اور سبزہ کی جو رونق ہوتی ہے اس کو بھی ملحوظ رکھیں، یہ بھی دیکھیں کہ سبزہ پیدا کرنا ہے غریبانہ سبزہ ہی سہی۔ جنتر سے ہو جاتا ہے تو جنتر کو شامل کریں۔ غرض چھ ماہ میں ایک غریبانہ گھر کا نقشہ تیار کر دیں۔

جہاں تک گھروں کی صفائی اور سجاوٹ کا تعلق ہے اب تو بہر حال اتنا وقت نہیں ہے۔ جلسہ قریب آرہا ہے اس لیے اس وقت اگر کوئی سفیدی کر سکتا ہے تو سفیدی کرے۔ کوئی رنگ پھیر سکتا ہے دیواروں پر تو رنگ پھیر دے۔ گھروں کی صفائی کریں اور ان کو سجائیں تا کہ جس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (نوّر اللہ مرقدہٗ) فرمایا کرتے تھے کہ ربوہ ایک غریب دلہن کی طرح رنگ اختیار کر لے، اس طرح سج جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا:

ابھی صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ نے مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ اس مد میں پیش فرمایا ہے جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ لیکن یہ میں وضاحت کر دوں کہ اس لیے انہوں نے خدام میں الگ چندہ کی کوئی تحریک نہیں کرنی۔ مرکزی فنڈ سے بچت کے طور پر اگر وہ یہ رقم پیش کر سکتے ہیں تو کریں ورنہ اپنے اس وعدہ پر نظر ثانی کر لیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷ / نومبر ۱۹۸۲ء)